

مسلم یونیورسٹی علیگڑہ میں اسلامی تعلیم

اشاعت گذشتہ میں سبیل اشارت اُس مجلس کا تذکرہ کیا گیا تھا جو مسلم یونیورسٹی علیگڑہ میں دینیات اور علوم اسلامیہ کی تعلیم کو ضروریات زمانہ کے مطابق ڈھالنے کے لیے تہیہء مقرر کی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں ہم نے اختصار کے ساتھ یونیورسٹی کی تعلیمی پالیسی پر نقد کرتے ہوئے یہ طالع کر دیا تھا کہ اس میں بنیادی نقص کیا ہے، اور حقیقی اصلاح کے لیے نظام تعلیم کس ڈھنگ پر مرتب کرنے کی ضرورت ہے۔ مگر بعد میں ہم نے محسوس کیا کہ محض چند اشارات سے کام نہ چلے گا جس تخیل کو ہم پیش کرنا چاہتے ہیں وہ ہمارے اکثر تعلیمی رہنماؤں کے ذہن سے ابھی بہت دور ہے۔ اس لیے ناگزیر ہے کہ ان کے سامنے پوری تفصیل کے ساتھ موجودہ طرز تعلیم کے اساسی نقائص پیش کیے جائیں اور انہیں بتایا جائے کہ یونیورسٹی کی تعلیم کو حقیقت میں ”اسلامی“ تعلیم بنانے کی صحیح صورت کیا ہے اس غرض کے لیے ہم نے ایک مفصل بیان مرتب کر کے یونیورسٹی کے جسٹس صاحب کی خدمت میں بھیجا ہے تاکہ وہ اسے ”مجلس اصلاح تعلیم دینی“ کے سامنے پیش کر دیں۔ چونکہ مسئلہ مسلمانوں کے تمام ارباب تعلیم کے لیے لائق غور و فکر ہے، اس لئے ہم اس کو شائع کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

قبل اس کے کہ ناظرین ہمارے اس بیان کو ملاحظہ فرمائیں۔ یونیورسٹی کے موجودہ نصاب و دینیات پر ایک نظر ڈال لیں تاکہ ہمارے مقاصد کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ نیز ان سوالات کو بھی پیش نظر رکھیں جو اس نصاب کے متعلق بعض ارکان مجلس کی جانب سے بھیجے گئے ہیں۔ (ایڈیٹر)۔

نصابِ دنیا میں مسلم یونیورسٹی بابت ۱۹۳۷ء ہائی اسکول کے لیے

سنی دینیات - (۱) ابواب قدوسی - (۲) العقیدۃ الحسنہ - (۳) لکچر اسلامی اخلاق -
شیعہ دینیات - (۱) اخبار المعصومین - (۲) سورہ جمعہ سورہ لقمان سورہ منافقون ترجمہ

مولوی فرمان علی صاحب مع شریح

۲۔ انٹرمیڈیٹ کے لیے

سنی دینیات - (۱) تاریخ آغاز اسلام - (۲) فقہ جامع صغیر - (۳) اخلاق کتاب الحقوق و
شیعہ دینیات - (۱) تذکرۃ المعصومین (۲) رسالہ جعفریہ - (۳) باب الزکوٰۃ و خمس از جامع عباسی -

۳۔ بی۔ اے۔ اور بی ایس کے لیے

سنی دینیات - (۱) فقہ ابواب ہدایہ نکاح - محرمات - کفو - ولایت - طلاق - خلع - مہر و نفقہ -
وصیت شفعہ کتاب الطہارت کتاب الصلوٰۃ (۲) تاریخ القرآن (۳) عقیدۃ الحسنہ شاہ ولی اللہ صاحب شرح و ایضاح
شیعہ دینیات - سراج المبین حصہ اول یوانح عمری حضرت علی - عقائد شیخ صدق - فقہ نکاح
تجارت، میراث، طلاق، وقف، ہیہ، شفعہ، وصیت، از جامع عباسی -

دینیات کے مخصوص امتحانات

۱۔ دینیات کا تکمیلی نصاب برائے بی۔ اے۔ (جوئیر) و بی۔ اے۔ (سینئر)۔

(۱) منشی علی طلبہ میں عبارت کو روانی کے ساتھ پڑھنے اور اس کا ترجمہ کرنے اور اس کی تفسیر کرنے کی اچھی استعداد رکھنے

۲۔ بی۔ بی۔ ایچ کے لیے

ابتدائی امتحان (۱) القرآن و اصول التفسیر سورہ فاتحہ سورہ بقرہ سورہ آل عمران انوار الکبیر (۲) حدیث

اصول حدیث - بلوغ المرام - نخبۃ الفکر (۳) فقہ ہدایہ جلد اول تا کتاب الحج (۴) فرائض - سراج

آخری امتحان۔ (۱) القرآن (سورۃ النساء تا آخر سورۃ البراق)۔ (۲) حدیث۔ تہذیب الخصال (۳) فقہ۔ ہدایہ۔ (۴) کتاب النکاح تا آخر باستثناء رنکاح الرقیق و کتاب العتاق (۵) اصول فقہ۔ امیدوار کو مجمع عام میں خطبہ بھی دینا ہوگا اگر ممتحنین اس کی ضرورت سمجھیں۔

۳۔ ایم فی آج کے لیے

(۱) القرآن (از سورۃ یونس تا آخر سورۃ احقاف) (۲) تفسیر تفسیر منطہری (سورۃ بقرہ آل عمران) تفسیر کشاف (جز ۲۶ تا ۳۰ مع سورۃ فاتحہ) (۳) حدیث جامع ترمذی۔ (۴) اصول حدیث مقدمہ ابن سلح۔ (۵) فقہ۔ ہدایہ آخرین۔ (۶) کتاب النکاح۔ کتاب الوار۔ کتاب الماؤن۔ کتاب الجنایات۔ کتاب المعاملات۔ کتاب الخنثی۔ کتاب الديات۔ (۷) اصول فقہ۔ ارشاد العقول۔ (۸) عقائد۔ شرح عقائد نسفی۔ الحجۃ اللہ البالغہ (جز اول)۔

برائے مطالعہ۔ تفسیر منہجی عبدہ مصری۔

امیدوار کو مجمع عام میں خطبہ بھی دینا ہوگا۔

سوالات منجانب ارکان مجلس اصلاح تعلیم دینی

مذکورہ بالا نصاب کے متعلق مجلس کے ارکان میں سے سر محمد یعقوب، ڈاکٹر عبد المجید خیری، اور مولانا عبد الماجد صاحب دریا بادی نے جدا جدا چند سوالات مرتب کئے ہیں جنہیں ہندوستان کے مسلم اداروں، سربراہان اور علماء، یونیورسٹی کورٹ کے ارکان اور مسلم اخبارات کے پاس بغرض حصول جوابات بھیجا گیا ہے۔

سوالات مرتبہ سر محمد یعقوب :-

(۱) مسلم یونیورسٹی میں دینیات کی تعلیم کا موجودہ طریقہ حسب ذیل ہے کیا آپ کے خیال پر

۱۔ طرز تعلیم قابل اطمینان ہے ؟

۲۔ مغربی سائنس اور فلسفہ کی تعلیم حاصل کرنے سے طلبہ کے دلوں میں مذہب کی طرف سے جو شکوک اور بے اعتنائی پیدا ہو جاتی ہے، کیا مسلم یونیورسٹی کی موجودہ تعلیم و نیات ان کے رفع کرنے کے واسطے کافی ہے؟

۳۔ اگر موجودہ تعلیم و نیات کافی اور قابل اطمینان نہیں ہے تو آپ کی رائے کے مطابق اس میں کیا اور کس قسم کی تبدیلی ہونی چاہیے؟

۴۔ مسلم یونیورسٹی اسکول میں دینیات کی تعلیم کس طرح ہونی چاہیے اور کیا مضامین اسکول کے طلبہ کو پڑھانے چاہئیں؟

(۵) مسلم یونیورسٹی میں داخلہ کے بعد تعلیم و نیات کس زبان میں ہونی چاہیے، انگریزی میں یا اردو میں؟

(۶) کیا آپ کچھ کتابوں کے نام بتا سکتے ہیں جو مسلم یونیورسٹی میں نصاب تعلیم و نیات میں داخل کی جاسکتی ہیں؟

(۷) اگر انگریزی میں دینیات کی تعلیم دینا آپ کی رائے میں مناسب ہو تو اس کے نصاب کے واسطے کتابوں کے مہینہ کرنے کے واسطے آپ کی کیا رائے ہے؟

(۸) کیا آپ کی رائے میں یہ مفید ہو گا کہ علاوہ کتابی تعلیم کے مسلم یونیورسٹی میں اہم مسائل پر جید علماء کے لکچر ہوا کریں؟ کیا آپ کچھ ایسے اشخاص کے نام بتا سکتے ہیں جو اس قسم کے لکچر دے سکیں؟

(۹) سنی اور شیعہ طلبہ کی تعلیم کہاں تک علیحدہ علیحدہ دی جائے اور کس حد پر پہنچنے کے بعد طلبہ کی دینیات کی تعلیم مشترک ہو جائے؟

(۱۰) مسلم یونیورسٹی میں اس وقت دینیات میں ایک ڈگری دی جاتی ہے جس کا نام بی بی ایچ ہے۔ اس کا کورس حسب ذیل ہے۔ کیا آپ کی رائے میں اس ڈگری کا قائم رکھنا یونیورسٹی کے واسطے مفید اور ضروری ہے؟ اور اگر ہے تو اس کا موجودہ نصاب تعلیم مناسب ہے یا تبدیلی کی ضرورت ہے؟ اگر تبدیلی کی ضرورت ہے تو کس قسم کی؟

سوالات مرتبہ ڈاکٹر عبد المجبار خیری :-

(۱) اسلامک اسپرٹ (Islamic Spirit) سے کوئی محدود (Definite) مراد ہے

جس کی جامعہ میں ضرورت ہے ؟ مفہوم معین کیا جائے۔

(۲) اسلام کیا ہے ؟ اسلام کا کیا مقصد ہے ؟ اسلام کا مقصد کس طرح سے حاصل ہوتا ہے ؟

سوالات مرتبہ مولانا عبدالمجید صاحب دریا بادی :-

۱۔ طلبہ کے عقائد پر اصل حملہ مغربی علوم اور مغربی فنون کا ہوتا ہے اور اصلی ضرورت انہی حملوں

سے ان کے عقائد اسلامی کے تحفظ کی ہے۔ نصاب تعلیم کو براہ کرم اس نقطہ نظر سے جانچے اور ارشاد فرمائیے

کہ جناب کے خیال میں اس خاص مقصد کے لیے نصاب میں کیا کیا ترمیمات مناسب ہوں گی ؟

بیان من جایڈیر ترجمان القرآن

مسلم یونیورسٹی کورٹ اس امر پر تمام مسلمانوں کے شکر یہ کا مستحق ہے کہ اس نے اپنے اوّل

کے بنیادی مقصد یعنی مسلمان طلبہ میں حقیقی اسلامی اسپرٹ پیدا کرنے کی طرّت توجہ کی اور اس کو مہمبلانے

کے لئے آپ کی مجلس کا تقریر کیا۔ اس سلسلہ میں جو کاغذات یونیورسٹی کے دفتر سے بھیجے گئے ہیں ان کو میں نے

پورے غور و خوض کے ساتھ دیکھا۔ جہاں تک دینیات اور علوم اسلامیہ کے موجودہ طریق تعلیم کا تعلق ہے

اس کے ناقابل اطمینان ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ جو نصاب اس وقت پڑایا جا رہا ہے وہ یقیناً ناقص

ہے لیکن مجلس کے معزز ارکان کی جانب سے جو سوالات مرتب کیے گئے ہیں، ان کے مطالعہ سے ایسا معلوم

ہوتا ہے کہ اس وقت مجلس کے پیش نظر صرف ترمیم نصاب کا سوال ہے، اور غالباً یہ سمجھا جا رہا ہے کہ چند

کتابوں کو خارج کر کے چند دوسری کتابیں رکھ دینے سے طلبہ میں ”اسلامی اسپرٹ“ پیدا کی جاسکتی ہے۔

اگر یہ قیاس صحیح ہے تو میں کہوں گا کہ یہ اصلی صورت حال کا بہت ہی نامکمل اندازہ ہے۔

در اصل ہم کو اس سے زیادہ گہرائی میں جا کر یہ دیکھنا چاہیے کہ قرآن، حدیث، فقہ، اور عقائد کی اس تعلیم کے باوجود، جو اس وقت دی جا رہی ہے، طلبہ میں ”حقیقی اسلامی اسپرٹ“ پیدا نہ ہونے کی وجہ کیا ہے؟ اگر محض موجودہ نصاب و دنیاویات کا نقص ہی اس کی وجہ ہے تو اس نقص کو دور کر دینا بلاشبہ اس خرابی کو رفع کر دینے کے لیے کافی ہو جائے گا۔ لیکن اگر اس کے اسباب زیادہ وسیع ہیں۔ اگر آپ کی پوری تعلیمی پالیسی میں کوئی اساسی خرابی موجود ہے، تو اصلاح حال کے لیے محض نصاب و دنیاویات کی ترمیم ہرگز کافی نہ ہوگی۔ اس کے لیے آپ کو اصلاحات کا دائرہ زیادہ وسیع کرنا ہوگا، خواہ وہ کتنا ہی محنت طلب اور مشکلات سے لبریز ہو۔ اس مسئلہ پر اسی نقطہ نظر سے غور کیا ہے، اور جن نتائج پر میں پہنچا ہوں انھیں امکانی اختصار کے ساتھ پیش کرتا ہوں۔

میرا یہ بیان تین حصوں پر مشتمل ہوگا۔ پہلے حصہ میں یونیورسٹی کی موجودہ تعلیمی پالیسی پر تنقیدی نظر ڈال کر اس کی اساسی خرابیوں کو واضح کیا جائیگا اور یہ بتایا جائیگا کہ مسلمان قوم کے حقیقی مفاد کے لیے اب ہماری تعلیمی پالیسی کیا ہونی چاہیے۔ دوسرے حصے میں اصلاحی تجاویز پیش کی جائیں گی۔ اور تیسرے حصے میں ان تجاویز کو عملی جامہ پہنانے کی تدابیر سے بحث کی جائے گی۔

(۱)

اس وقت مسلم یونیورسٹی میں جو طریق تعلیم رائج ہے وہ تعلیم جدید اور اسلامی تعلیم کی ایک ایسی آمیزش پر مشتمل ہے جس میں کوئی امتزاج اور کوئی ہم آہنگی نہیں۔ دو بالکل متضاد اور بے جوڑ تعلیمی مضامین کو جوں کا توں لے کر ایک جگہ جمع کر دیا گیا اور ان میں یہ صلاحیت پیدا نہیں کی گئی کہ ایک مرکب علمی قوت بن کر کسی ایک کلچر کی خدمت کر سکیں۔ یکجائی و اجتماع کے باوجود یہ دونوں عنصر صرف ایک دوسرے سے الگ رہتے ہیں، بلکہ ایک دوسرے کی مزاحمت کر کے طلبہ کے ذہن کو دو مخالف سمتوں کی طرف کھینچتے ہیں۔ اسلامی نقطہ نگاہ سے قطع نظر، خالص تعلیمی نقطہ نگاہ سے بھی اگر دیکھا جائے تو

یہ کہنا پڑے گا کہ تعلیم میں اس قسم کے متباہن اور متضاد عناصر کی آمیزش اصلاً غلط ہے، اور اس سے کوئی مفید نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا۔

اسلامی نقطہ نظر سے یہ آمیزش اور بھی زیادہ قباحت کا سبب بن گئی ہے، کیونکہ اول تو خود آمیزش ہی درست نہیں، پھر اس پر مزید خرابی یہ ہے کہ یہ آمیزش بھی مساویانہ نہیں ہے۔ اس میں مغربی عنصر بہت طاقتور ہے اور اسلامی عنصر اس کے مقابلہ میں نہایت کمزور ہے۔ مغربی عنصر کو سینا فائدہ تو یہ حاصل ہے کہ وہ ایک عصری عنصر ہے جس کی پشت پر فائدہ مانہ کی قوت اور ایک عالمگیر حکمران تمدن کی طاقت ہے۔ اس کے بعد وہ ہماری یونیورسٹی کی تعلیم میں ٹھیک اسی شان اور اسی طاقت کے ساتھ شریک کیا گیا ہے جس کے ساتھ وہ ان یونیورسٹیوں میں ہے اور ہونا چاہیے جو مغربی کلچر کی خدمت کے لیے قائم کی گئی ہیں۔ یہاں مغربی علوم و فنون کی تعلیم اس طور پر دی جاتی ہے کہ ان کے تمام اصول اور نظریات مسلمان لڑکوں کی صاف اور سادہ لوح دل پر ایمان بن کر ثبت ہو جاتے ہیں اور ان کی ذہنیت کلیتہً مغربی سانچے میں ڈھل جاتی ہے، حتیٰ کہ وہ مغربی نظریے دیکھنے اور مغربی دماغ سے سوچنے لگتے ہیں، اور یہ اعتقاد ان پر مسلط ہو جاتا ہے کہ دنیا میں اگر کوئی پزیر معقول اور باوقفت ہے تو وہی ہے جو مغربی علم و حکمت کے اصول و مبادی سے مطابقت رکھتی ہو۔ پھر ان تاثرات کو مزید تقویت اس تربیت سے پہنچتی ہے جو ہماری یونیورسٹی میں عملاً دی جا رہی ہے۔ لباس، معاشرت، آداب و اطوار، رفتار و گفتار، کھیل کود، غرض کوئی چیز ہے جس پر مغربی تہذیب و تمدن اور مغربی رجحانات کا غلبہ نہیں ہے۔ یونیورسٹی کا ماحول اگر پورا نہیں تو وہ ۹۰ فی صدی یقیناً مغربی ہے اور ایسے ماحول کے جو اثرات ہو سکتے ہیں اور ہوا کرتے ہیں ان کو ہر صاحب نظر خود سمجھ سکتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں اسلامی عنصر نہایت کمزور ہے۔ اول تو وہ اپنی تمدنی و سیاسی طاقت کھو کر دیے ہی کمزور ہو چکا ہے۔ پھر ہماری یونیورسٹی میں اس کی تعلیم جس نصاب کے تحت

سے دی جاتی ہے وہ زمانے سے صدیوں پیچھے رہ گیا ہے۔ اس کی زبان اور ترتیب و تدوین ایسی نہیں جو عصری دماغوں کو اپیل کر سکے۔ اس میں اسلام کے ابدی اصولوں کو جن حالات اور جن عملی مسائل پر منطبق کیا گیا ہے ان میں سے اکثر اب درپیش نہیں ہیں، اور جو اب درپیش ہیں ان پر ان اصولوں کو منطبق کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی ہے۔ مزید برآں اس تعلیم کی پشت پر کوئی تربیتی کوئی زندہ ماحول، کوئی عملی برتاؤ اور چلن بھی نہیں۔ اس طرح مغربی تعلیم کے ساتھ اسلامی تعلیم کی آمیزش اور بھی زیادہ بے اثر ہو جاتی ہے ایسی نامساوی آمیزش کا طبعی نتیجہ یہ ہے کہ طلبہ کے دل و دماغ مغربی غصہ پوری طرح غالب آجائے اور اسلامی عنصر محض ایک سامان مضحکہ بننے کے لیے رہ جائے یا زیادہ سے زیادہ اس لیے کہ زمانہ ماضی کے آثار باقیہ کی طرح اس کا احترام کیا جائے۔

میں اپنی صاف گوئی پر معافی کا خواستگار ہوں مگر جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں اس کو بے کلمہ و کاست بیان کر دینا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ میری نظر میں مسلم یونیورسٹی کی دینی و دنیوی تعلیم بحیثیت مجموعی بالکل ایسی ہے کہ آپ ایک شخص کو از سرتا پا غیر مسلم بناتے ہیں، پھر اس کی فعل میں دینیات کی چند کتابوں کا ایک بستہ دیدیتے ہیں، تاکہ آپ پر اسے غیر مسلم بنانے کا الزام عائد نہ ہو، اور اگر وہ اس بستہ کو اٹھا کر بھینک دے (جس کی وجہ دراصل آپ ہی کی تعلیم ہوگی) تو وہ خود ہی اس فعل کے لیے قابل الزام قرار پائے۔ اس طرز تعلیم سے اگر آپ یہ امید رکھتے ہیں کہ وہ مسلمان پیدا کرے گا تو یوں سمجھنا چاہیے کہ آپ معجزے اور خرق عادت کے متوقع ہیں، کیونکہ آپ نے جو اسباب مہیا کیے ہیں ان سے قانون طبی کے تحت تو یہ نتیجہ کبھی برآمد نہیں ہو سکتا۔ فی صدی ایک یا دو چار طالب علموں کا مسلمان اکمل اعتقادی و عملی مسلمان امرہ جانا کوئی حجت نہیں۔ یہ آپ کی یونیورسٹی کے فیضانِ تعلیم و تربیت کا نتیجہ نہیں بلکہ اس امر کا ثبوت ہے کہ جو اس فیضان سے اپنے ایمان و اسلام کو بچائے گیا وہ دراصل فطرتِ ابراہیمی پر پیدا ہوا تھا۔ ایسے مستثنیات جس طرح علیگڑھ کے فارغ التحصیل

اصحاب میں پائے جاتے ہیں، اسی طرح ہندوستان کی سرکاری یونیورسٹیوں، بلکہ یورپ کی یونیورسٹیوں کے متفرجین میں بھی مل سکتے ہیں جن کے نصاب میں سرے سے کوئی اسلامی عنصر ہے ہی نہیں۔

اب اگر آپ ان حالات اور اس طرز تعلیم کو بعینہ باقی رکھیں اور محض دینیات کے موجود نصاب کو بدل کر زیادہ طاقتور نصاب شریک کر دیں تو اس کا حاصل صرف یہ ہوگا کہ فرنگیت اور اسلامیت کی کشمکش زیادہ شدید ہو جائے گی۔ ہر طالب علم کا دماغ ایک رزمگاہ بن جائے گا جس میں یہ دو طاقتیں پوری قوت کے ساتھ جنگ کریں گی، اور بالآخر آپ کے طلبہ میں مختلف گروہوں میں بٹ جائیں گے۔

ایک وہ جن پر فرنگیت غالب رہے گی، عام اس سے کہ وہ انگریزیت کے رنگ میں ملے یا ہندی وطن پرستی کے رنگ میں یا ملحدانہ اشتراکیت کے رنگ میں۔ دوسرے وہ جن پر اسلامیت غالب رہے گی، خواہ اس کا رنگ گہرا ہو یا فرنگیت اثر سے پھیکا پڑ جائے۔

تیسرے وہ جو نہ پورے مسلمان ہوں گے نہ پورے فرنگی۔ ظاہر ہے کہ تعلیم کا یہ نتیجہ بھی کوئی خوشگوار نتیجہ نہیں۔ نہ خالص تعلیمی نقطہ نظر سے اس اجتماع نقیضین کو مفید کہا جاسکتا ہے، اور نہ قومی نقطہ نظر سے ایسی یونیورسٹی اپنے وجود کو حق بجانب ثابت کر سکتی ہے جس کے نتائج کا پچھلے قومی مفاد کے خلاف اور قومی تہذیب کے لیے نقصان کا ملکا مترادف ہو کم از کم مسلمانوں کی سی غریب قوم کے لیے تو یہ سودا بہت ہی مہنگا ہے کہ وہ لاکھوں روپے کے خرچ سے ایک ایسی ٹیخال جاری رکھے جس میں سے ۳۳ فی صدی سکتے تو مستقل طور پر کھوٹے نکلتے رہیں، اور ۳۳ فی صدی ہمارے خرچ پر تیار ہو کر غیروں کی گود میں ڈال دئے جائیں، بلکہ بالآخر خود ہمارے خلاف استعمال ہوں۔

مذکورہ بالا نیاں سے دو باتیں اچھی طرح واضح ہو جاتی ہیں :-

اولاً، تعلیم میں متضاد عناصر کی آمیزش اصولی حیثیت سے غلط ہے۔

ثانیاً، اسلامی مفاد کے لیے بھی ایسی آمیزش کسی طرح مفید نہیں، خواہ وہ اُنسی قسم کی غیر مساوی آمیزش ہو جیسی اب تک رہی ہے، یا مساوی کر دی جائے، جیسا کہ اب کرنے کا خیال کیا جا رہا ہے۔

ان امور کی توضیح کے بعد میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میری رائے میں یونیورسٹی کی تعلیمی پالیسی اب کیا ہونی چاہیے۔

یہ ظاہر ہے کہ ہر یونیورسٹی کسی نہ کسی کلچر کی خادم ہوتی ہے، ایسی مجرد تعلیم جو ہر رنگ اور ہر صورت سے خالی ہو، نہ آج تک دنیا کی کسی درس گاہ میں دی گئی ہے، نہ آج دی جا رہی ہے ہر درس گاہ کی تعلیم ایک خاص رنگ اور خاص صورت میں ہوتی ہے اور اس رنگ و صورت کا انتخاب پورے غور و فکر کے بعد اس مخصوص کلچر کی مناسبت سے کیا جاتا ہے جس کی خدمت وہ کرنا چاہتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ آپ کی یونیورسٹی کس کلچر کی خدمت کے لیے قائم کی گئی ہے؟ اگر وہ مغربی کلچر ہے، تو اس کو مسلم یونیورسٹی نہ کہیے، نہ اس میں دینیات کا ایک نصاب رکھ کر خواہ مخواہ طالب علموں کو ذہنی کشمکش میں مبتلا کیجیے۔ اور اگر وہ اسلامی کلچر ہے تو آپ کو اپنی یونیورسٹی کی پوری ساخت بدلتی رہے گی اور اس کی ہیئت ترکیبی کو ایسے طرز پر ڈھالنا ہو گا کہ وہ بحیثیت مجموعی اس کلچر کے مزاج اور اس کی اسپرٹ کے مناسب ہو، اور نہ صرف اس کا تحفظ کرے، بلکہ اس کو آگے بڑھانے کے لیے ایک اچھی طاقت بن جائے۔

بسیا کہ میں اوپر ثابت کر چکا ہوں کہ، موجودہ حالت میں تو آپ کی یونیورسٹی اسلامی کلچر کی نہیں بلکہ مغربی کلچر کی خادم بنی ہوئی ہے اس حالت میں اگر صرف اتنا تغیر کیا جائے کہ دینیات کے

موجودہ نصاب کو بدل کر زیادہ طاقتور کر دیا جائے اور تعلیم و تربیت کے باقی تمام شعبوں میں پوری مغربیت برقرار رہے تو اس سے بھی یہ درگاہ اسلامی کلچر کی خادم نہیں بن سکتی۔ اسلام کی حقیقت پر غور کرنے سے یہ بات خود بخود آپ پر آشوب ہو جائیگی کہ دنیوی تعلیم و تربیت اور دینی تعلیم کو الگ کرنا اور ایک دوسرے سے مختلف کہہ کر ان دونوں کو یکجا جمع کر دینا بالکل لاعمل ہے۔ اسلام بحیثیت کی طرح کوئی ایسا مذہب نہیں ہے جس کا دین دنیا سے الگ کوئی چیز ہو۔ وہ دنیا کو دنیا والوں کے لئے چھوڑ کر صرف اعتقادات اور اخلاقیات کی حد تک اپنے دائرے کو محدود نہیں رکھتا اس لئے مسیحی دینیات کی طرح اسلام کے دینیات کو دنیویات سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ اسلام کا اصل مقصد انسان کو دنیا میں رہنے اور دنیا کے معاملات انجام دینے کے لئے ایک ایسے طریقہ پر تیار کرنا ہے جو اس زندگی سے بیکر آخرت کی زندگی تک سلامتی عزت اور برتری کا طریقہ ہے اس غرض کے لئے وہ اس کی نظر و فکر کو درست کرتا ہے اس کے اخلاق کو سنوارتا ہے اس کی سیرت کو ایک خاص سانچے میں ڈھالتا ہے، اس کے لیے حقوق و فرائض معین کرتا ہے۔ اور اس کو اجتماعی زندگی کا ایک خاص نظام وضع کر کے دیتا ہے۔ افراد کی ذہنی و عملی تربیت، سوسائٹی کی تشکیل و تنظیم اور زندگی کے تمام شعبوں کی ترتیب و تعدیل کے باب میں اس کے اصول و ضوابط سب سے الگ ہیں، انہی کی بدولت اسلامی تہذیب ایک جداگانہ تہذیب کی شکل اختیار کرتی ہے، اور مسلمان قوم کا بحیثیت ایک قوم کے زندہ رہنا انہی کی پابندی پر منحصر ہے پس جب حال یہ ہے تو ”اسلامی دینیات“ کی اصطلاح بے معنی ہو جاتی ہے اگر زندگی اور اس کے معاملات سے اس کا ربط باقی نہ رہے اسلامی کلچر کے لئے عالم دین بیکار رہے جو اسلام کے عقائد اور اصول سے تو واقف ہے مگر ان کو بے علم و عمل کے میدان میں بڑھنا اور زندگی کے دائم التعلیل وحوال و مسائل میں ان کو برتنا نہیں چاہتا۔ اسی طرح اس کلچر کے لیے وہ عالم دنیا بھی بیکار رہے جو دل میں تو اسلام کی صداقت پر ایمان رکھتا ہے مگر دماغ سے غیر اسلامی طریق پر سوچتا ہے معاملات کو غیر اسلامی نظر سے دیکھتا ہے اور زندگی کو غیر اسلامی اصولوں پر مرتب کرتا ہے اسلامی تہذیب

کے زوال اور اسلامی نظام تمدن کی ابتری کا اصل سبب یہی ہے کہ ایک مدت سے ہماری قوم میں صرف انہی دو قسموں کے عالم پیدا ہو رہے ہیں، اور دنیوی علم و عمل سے علم دین کا رابطہ ٹوٹ گیا ہے۔ اب اگر آپ چاہتے ہیں کہ اسلامی کلچر پھر سے جو ان ہو جائے اور زمانہ کے پیچھے چلنے کے بجائے آگے چلنے لگے، تو اس ٹوٹے ہوئے ربط کو پھر قائم کیجیے۔ مگر اس کو قائم کرنے کی صورت یہ نہیں ہے کہ دینیات کے نصاب کو جسم تعلیمی کی گردن کا قلابہ یا کمر کا پشتارہ بنا دیا جائے۔ نہیں۔ اس کو پورے نظام تعلیم و تربیت میں اس طرح اتار دیجیے کہ وہ اس کا دوران خون، اس کی روح رواں اس کی بینائی و سماعت، اس کا احساس و ادراک، اس کا شعور و فکر بن جائے، اور مغربی علوم و فنون کے تمام صلح اجزاء کو اپنے اندر جذب کر کے اپنی تہذیب کا جز بناتا چلا جائے اس طرح آپ مسلمان فلسفی، مسلمان سائنس دان، مسلمان ماہرین معاشیات، مسلمان مہتممین، مسلمان مدبرین غرض تمام علوم و فنون کے مسلمان ماہر پیدا کر سکیں گے، جو زندگی کے مسائل کو اسلامی نقطہ نظر سے حل کریں گے، تہذیب حاضر کے ترقی یافتہ اسباب و وسائل سے تہذیب اسلامی کی خدمت لیں گے اور اسلام کے افکار و نظریات اور قوانین حیات کو روح عصری کے لحاظ سے از سر نو مرتب کرینگے یہاں تک کہ اسلام از سر نو علم و عمل کے ہر میدان میں اسی امامت و رہنمائی کے مقام پر آجائیگا جس کے لیے وہ درحقیقت دنیا میں بھیجا گیا ہے۔

یہ ہے وہ تخیل جو مسلمانوں کی جدید تعلیمی پالیسی کا اساسی تخیل ہونا چاہیے۔ زمانہ اس مقام سے بہت آگے نکل چکا ہے جس پر سرسید ہم کو چھوڑ گئے تھے۔ اگر اب زیادہ عرصہ تک ہم اس پر قائم رہیں تو بحیثیت ایک مسلم قوم کے ہمارا ترقی کرنا تو درکنار، زندہ رہنا بھی مشکل ہے۔

(۲)

اب میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اوپر جس تعلیمی پالیسی کا بیانیہ میں نے پیش کیا ہے اس کو

صورت کا لباس کس طرح پہنایا جاسکتا ہے۔

(۱) مسلم یونیورسٹی کے حدود میں ”فرنگیت“ کا کئی استیصال کر دینا نہایت ضروری ہے۔ اگر ہم اپنی قومی تہذیب کو اپنے ہاتھوں قتل کرنا نہیں چاہتے، تو ہمارا فرض ہے کہ اپنی نئی نسلوں میں ”فرنگیت“ کے ان روز افزوں رجحانات کا سدباب کریں۔ یہ رجحانات دراصل غلامانہ ذہنیت اور باطنی احساس و ناست (Inferiority Complex) کی پیداوار ہیں پھر جب ان کا عملی ظہور لباس، معاشرت، آداب و اطوار اور بحیثیت مجبوری پورے اجتماعی ماحول میں ہوتا ہے تو یہ ظاہر اور باطن دونوں طرف سے نفس کا احاطہ کر لیتے ہیں، اور اس میں شرف قومی کارنامے برابر احساس نہیں چھوڑتے۔ ایسے حالات میں اسلامی تہذیب کا زندہ رہنا قطعی ناممکن ہے۔ کوئی تہذیب محض اپنے اصولوں اور اپنے اساسی تصورات کے مجرد ذہنی وجود سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ عملی برتاؤ سے پیدا ہوتی ہے اور اسی سے نشوونما پاتی ہے۔ اگر عملی برتاؤ مفقود ہو جائے تو تہذیب اپنی طبعی موت مر جائے گی، اور اس کا ذہنی وجود بھی برقرار نہ رہ سکے گا پس سب سے مقدم اصلاح یہ ہے کہ یونیورسٹی میں ایک زندہ اسلامی ماحول پیدا کیا جائے۔ آپ کی تربیت ایسی ہونی چاہیے جو مسلمانوں کی نئی نسلوں کو اپنی قومی تہذیب پر فخر کرنا سکھائے۔ ان میں اپنی قومی خصوصیات کا احترام بلکہ عشق پیدا کرے، ان میں اسلامی اخلاق اور اسلامی سیرت کی روح پھونک دے، اور ان کو اس قابل بنائے کہ وہ اپنے علم اور اپنی تربیت یافتہ ذہنی صلاحیتوں سے اپنے قومی تمدن کو شائستگی کے بلند درجے کی طرف بڑھائیں۔

(۲) اسلامی اسپرٹ پیدا کرنے کا انحصار بڑی حد تک مسلمین کے علم و عمل پر ہے۔ جو علم خود اس روح سے خالی ہیں، بلکہ خیال اور عمل دونوں میں اس کے مخالف ہیں ان کے زیر اثر رہ کر متعلمین میں اسلامی اسپرٹ کیسے پیدا ہو سکتی ہے۔ آپ محض عمارت کا نقشہ بنا سکتے ہیں، مگر اہلی عمارت آپ نہیں بنا سکتے۔

آپ کے تعلیمی اشاف کے ارکان ہیں۔ ”فرنگی“ معماروں سے یہ امید رکھنا کہ وہ اسلامی طرز تعمیر پر عمارت بنائیں گے، کریلے کی سیل سے خوشہ انگور کی امید رکھنا ہے محض دینیات کے لیے چند ”مولوی“ رکھ لینا ایسی صورت میں بالکل فغول ہوگا جبکہ دوسرے تمام یا اکثر علوم کے پڑھانے والے غیر مسلم یا ایسے مسلمان ہوں جن کے خیالات غیر اسلامی ہوں، کیونکہ وہ زندگی اور اس کے مسائل اور معاملات کے متعلق طلبہ کے نظریات اور تصورات کو اسلام کے مرکز سے پھیر دیں گے، اور اس زہر کا تریاق محض دینیات کے کورس سے فراہم نہ ہو سکے گا۔ لہذا خواہ کوئی فن ہو، فلسفہ ہو یا سائنس، یا معاشرہ یا قانون یا کوئی اور سہلہم یونیورسٹی میں اس کی پروفیسری کے لیے کسی شخص کا محض ماہر بننا کافی نہیں ہے، بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ پورا اور پکا مسلمان ہو۔ اگر مخصوص حالات میں کسی غیر مسلم ماہر فن کی خدمات حاصل کرنی پڑیں تو کوئی مضائقہ نہیں، لیکن عام قاعدہ یہی ہونا چاہیے کہ ہمارا یونیورسٹی کے پروفیسر وہ لوگ ہوں جو اپنے فن میں ماہر ہونے کے علاوہ یونیورسٹی کے اساسی مقصد یعنی اسلامی کلچر کے لیے خیالات اور اعمال دونوں کے لحاظ سے مفید ہوں۔

(۳) یونیورسٹی کی تعلیم میں عربی زبان کو بطور ایک لازمی زبان کے شریک کیا جائے۔ یہ ہماری کلچر کی زبان ہے اسلام کے ماخذ اصلیہ تک پہنچنے کا واحد ذریعہ ہے جب تک مسلمانوں کا تعلیم یافتہ طبقہ قرآن اور سنت تک بلا واسطہ دست رس حاصل نہ کرے گا اسلام کی روح کو نہ پا سکے گا۔ اسلام میں بصیرت حاصل کر سکے گا۔ وہ ہمیشہ مترجموں اور شارحوں کا محتاج رہے گا، اور اس طرح آفتاب کی روشنی اس کو براہ راست آفتاب سے کبھی نہ مل سکے گی، بلکہ مختلف قسم کے رنگین آئینوں کے واسطے ہی سے ملتی رہے گی۔ آج ہمارے جدید تعلیمیافتہ حضرات اسلامی مسائل میں ایسی ایسی غلطیاں کر رہے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسلام کی ابجد تک سے ناواقف ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ قرآن اور سنت سے استفادہ کا کوئی ذریعہ نہیں رکھتے۔ آگے چل کر پرائیوٹ اٹانومی کے دور میں جب

ہندوستان کی مجالس مقننہ کو قانون سازی کے زیادہ وسیع اختیارات حاصل ہوں گے اور وہ شرفا رفا رم کے لیے نئے نئے قوانین بنائے جانے لگیں گے اس وقت اگر مسلمانوں کی نمائندگی ایسے لوگ کرتے رہے جو اسلام سے ناواقف ہوں اور اخلاق و معاشرت اور قانون کے مغربی تصورات پر اعتقاد رکھتے ہوں تو جدید قانون سازی سے مسلمانوں میں شوشل ریفارم ہونے کے بجائے الٹی شوشل ڈیفارم ہوگی اور مسلمانوں کا اجتماعی نظام اپنے اصولوں سے اور زیادہ دور ہوتا چلا جائیگا پس عربی زبان کے مسئلہ کو محض ایک زبان کا مسئلہ نہ سمجھیے، بلکہ یوں سمجھیے کہ یہ آپ کی یونیورسٹی کے اساسی مقصد سے تعلق رکھتا ہے اور جو چیزاساسیات سے تعلق رکھتی ہو اس کے لیے سہولت کا لحاظ نہیں کیا جاتا، بلکہ ہر حال میں اس کی جگہ نکالنی پڑتی ہے۔

۱۴) ہائی اسکول کی تعلیم میں طلباء کو حسب ذیل مضامین کی ابتدائی معلومات حاصل ہونی چاہئیں

الف۔ عقائد۔ اس مضمون میں عقائد کی خشک کلامی تفصیلات نہ ہونی چاہئیں۔ بلکہ ایمانیات کو ذہن نشین کرنے کے لیے نہایت لطیف انداز بیان اختیار کرنا چاہیے جو فطری وجدان اور عقل سلیم کو اپیل کرنے والا ہو۔

طلبہ کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اسلام کے ایمانیات دراصل کائنات کی بنیادی صداقتیں ہیں اور یہ صداقتیں ہماری زندگی سے ایک گہرا ربط رکھتی ہیں۔

ب۔ اسلامی اخلاق۔ اس مضمون میں حجرۂ اخلاقی تصورات پیش کیے جائیں۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اور انبیاء علیہم السلام کی سیرتوں سے ایسے واقعات لیکر جمع کیے جائیں جن سے طلبہ کو معلوم ہو کہ ایک مسلمان کے کیرکٹر کی خصوصیات کیا ہیں، اور مسلمان کی زندگی کیسی ہوتی ہے۔

ج۔ احکام فقہ۔ اس مضمون میں حقوق اللہ اور حقوق العباد اور شخصی کردار کے متعلق اسلامی

قانون کے ابتدائی اور ضروری احکام بیان کیے جائیں جن سے واقف ہونا مسلمان کے لیے ناگزیر ہے۔ مگر اس قسم کے جزئیات اس میں نہ ہونے چاہئیں جیسے ہماری فقہ کی پرانی کتابوں میں آتے ہیں کہ مثلاً کوئیں میں چوہا مگر جائے تو کتنے ڈول نکالے جائیں۔

۵۔ اسلامی تاریخ یضموں صرف سیرت رسول اور دوصحابہ تک محدود رہے۔ اس کے پڑھانے کی غرض یہ ہونی چاہیے کہ طلبہ اپنے مذہب اور اپنی قومیت کی اصل سے واقف ہو جائیں اور ان کے دلوں میں قومی افتخار کا جذبہ پیدا ہو۔

۶۔ عربیت عربی زبان کا محض ابتدائی علم جو ادب سے ایک حد تک مناسبت پیدا کرے۔ اس قرآن صرف اتنی استعداد کہ لڑکے کتاب انسکروروانی کے ساتھ پڑھ سکیں۔ سادہ آیتوں کو کسی حد تک سمجھ سکیں اور چند صورتیں بھی ان کو یاد ہوں۔

(۵) کالج کی تعلیم میں ایک نصاب عام ہونا چاہیے جو تمام طلباء کو پڑھایا جائے اس نصاب میں حسب ذیل مضامین ہونے چاہئیں۔

الف عربیت انٹرمیڈیٹ میں عربی ادب کی متوسط تعلیم ہو۔ بی اے میں پہنچ کر اس مضمون کو تعلیم قرآن کے ساتھ ضم کر دیا جائے۔

ب۔ قرآن۔ انٹرمیڈیٹ میں طلبہ کو فہم قرآن کے لیے متعدد کیا جائے۔ اس مرحلہ میں صرف چند مقدمات ذہن نشین کرادینے چاہئیں۔ قرآن کا محفوظ اور تاریخی حیثیت سے معتبر ترین کتاب ہونا۔ اس کا وحی الہی ہونا۔ تمام مذاہب کی اساسی کتابوں کے مقابلہ میں اس کی فضیلت۔ اس کی بے نظیر انقلاب انگیز تعلیم۔ اس کے اثرات نہ صرف عرب پر بلکہ تمام دنیا کے افکار اور قوانین حیات پر۔ اس کا انداز بیان

ادھر زات دلال۔

بی اے میں آل قرآن کی تعلیم دی جائے۔ یہاں طرز تعلیم یہ ہونا چاہیے کہ طلبہ خود قرآن کو پڑھ کر سمجھنے کی کوشش کریں اور استاد ان کی مشکلات کو حل اور ان کے شبہات کو رفع کرتا جائے۔ اگر مفصل تفسیر اور جزئی بحثوں سے اجتناب ہو، اور صرف مطالب کی توضیح پر اکتفا کیا جائے تو دو سال میں باسانی پورا قرآن پڑھایا جاسکتا ہے۔

بح تعلیمات اسلامی اس مضمون میں طلباء کو پورے نظام اسلامی سے روشناس کرا دیا جائے اسلام کی بنیاد کن اساسی تصورات پر قائم ہے۔ ان تصورات کی بنا پر وہ اخلاق اور ریسر کی تشکیل کس طرح کرتا ہے پھر انہی کی بنا پر وہ کس طرح ایک سوسائٹی کا نظام مرتب کرتا ہے۔ پھر اس سوسائٹی کی زندگی کو وہ معاشرت، معیشت، سیاست اور بین الاقوامی تعلقات میں کن اصولوں پر منظم کرتا ہے اس کے اجتماعی نظام میں فرد اور جماعت کے درمیان حقوق و فرائض کی تقسیم کس طرح کی گئی ہے۔ حدود اللہ کیا ہیں ان حدود کے اندر مسلمان کو کس حد تک فکر و عمل کی آزادی حاصل ہے اور ان حدود کے باہر قدم نہ اٹھانے سے نظام اسلامی پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ یہ تمام امور جامعیت کے ساتھ ایک نصاب میں لائے جائیں اور اس کو چار سال کے مدارج تعلیمی پر ایک مناسبت کے ساتھ تقسیم کر دیا جائے۔

۶) نصاب عام کے بعد علوم اسلامیہ کو تقسیم کر کے مختلف علوم و فنون کی اختصاصی تعلیم میں بچے اور ہر فن میں اسی فن کی مناسبت سے اسلام کی تعلیمات کو پوسٹ تکجی مغربی علوم و فنون بچائے گئے سب کے سب مفید ہیں، اور اسلام کو ان میں سے کسی کے ساتھ بھی دشمنی نہیں، بلکہ ایجا با میں کیونگا

کہ جہاں تک حقائق علمیہ کا تعلق ہے، اسلام ان کا دوست اور وہ اسلام کے دوست ہیں۔ دشمنی دراصل علم اور اسلام میں نہیں بلکہ ”مغربیت“ اور اسلام میں ہے۔ اکثر علوم میں اہل مغرب اپنے چند مخصوص اساسی تصورات، بنیادی مفروضات (Hypotheses) نقطہائے آغاز (Starting points) اور زوایائے نظر رکھتے ہیں جو بجائے خود ثابت شدہ حقائق نہیں ہیں بلکہ محض ان کے اپنے وجدانیات ہیں وہ حقائق کو لے کر اپنے ان وجدانیات کے سانچے ڈھالتے ہیں، اور اس سانچے کی مناسبت سے ان کو مرتب کر کے ایک مخصوص نظام بنا لیتے ہیں۔ اسلام کی دشمنی دراصل انہی وجدانیات سے ہے۔ وہ حقائق کا دشمن نہیں بلکہ اس وجدانی سانچے کا دشمن ہے جس میں ان حقائق کو ڈھالا اور مرتب کیا جاتا ہے۔ وہ خود اپنا ایک مرکزی تصور، ایک زاویہ نظر، ایک نقطہ آغاز فکر، ایک وجدانی سانچہ رکھتا ہے جو اپنی اصل اور فطرت کے اعتبار سے مغربی سانچے کی عین ضد واقع ہوا ہے۔ اب یہ سمجھ لیجیے کہ اسلامی نقطہ نظر سے ضلالت کی اصل وجہ یہ نہیں ہے کہ آپ مغربی علوم و فنون سے حقائق لیتے ہیں، بلکہ یہ ہے کہ آپ مغرب ہی سے اس کا وجدانی سانچہ بھی لے لیتے ہیں۔ فلسفہ، سائنس، تاریخ، قانون، سیاسیات، معاشیات اور دوسرے علمی شعبوں میں آپ خود ہی اپنے نوجوان اور خالی الذہن طلبہ کے دماغوں میں مغرب کے اساسی تصورات بٹھاتے ہیں ان کی نظر کو مغربی زاویہ نظر کے مطابق نصب کرتے ہیں، مغربی مفروضات کو مسلمات بناتے ہیں، استدلال و استشہاد اور تحقیق و تفحص کے لیے صرف وہی ایک نقطہ آغاز ان کو دیتے ہیں جو اہل مغرب کا نقطہ آغاز ہے اور تمام علمی حقائق اور مسائل کو اُسی طرز پر مرتب کر کے ان کے ذہن میں اتار دیتے ہیں جس طرز پر اہل مغرب نے ان کو مرتب کیا ہے۔ اس کے بعد صرف ایک وینیات کا شعبہ کیا کر سکتا ہے جس میں مجرد تصورات ہیں مگر حقائق علمیہ اور مسائل حیات پر ان تصورات کا انطباق نہیں بلکہ طلبہ کے ذہن میں حبلہ معلومات کی ترتیب

ان تصورات کے بالکل عکس ہے۔ یہی گمراہی کا سرخیمہ ہے۔ اگر آپ گمراہی کا سدباب کرنا چاہتے ہیں تو اس سرخیمہ کے مصدر پر پہنچ کر اس کا رخ پھیر دیجیے اور تمام علمی شعبوں کو وہ نقطہ آغاز، وہ زاویہ نظر، وہ اساسی اصول دیجئے جو قرآن نے آپ کو دے دیے ہیں جب اس وجدانی سانچہ میں معلومات مرتب ہونگی اور اس نظر سے کائنات اور زندگی کے مسائل کو حل کیا جائیگا تب آپ کے طلبہ مسلم طلبہ بنیں گے اور آپ یہ کہہ سکیں گے کہ ہم انسان میں اسلامی اسپرٹ پیدا کی ورنہ ایک شعبہ میں اسلام باقی تمام شعبوں میں غیر اسلام رکھ دینے کا نتیجہ اس سو اچھے نہ ہوگا کہ آپ کے فارغ التحصیل طلبہ فلسفہ میں غیر مسلم سائنس میں غیر مسلم، قانون میں غیر مسلم، سیاسیات میں غیر مسلم فلسفہ تاریخ میں غیر مسلم، عمرانیات میں غیر مسلم ہوں گے اور ان کا اسلام محض چند اعتقادات اور چند مذہبی مراسم کی حد تک رہ جائے گا۔

(۷) بی ٹی ایچ اور ایم ٹی ایچ کے امتحانات کو بند کر دیجیے۔ نہ ان کی کوئی ضرورت نہ کوئی فائدہ۔ جہاں تک علوم اسلامیہ کے مخصوص شعبوں کا تعلق ہے ان میں سے ہر ایک شعبے کو اسی کے مثال علم کے مغربی شعبہ کے انتہائی کورس میں داخل کر دیجیے مثلاً فلسفہ میں حکمت اسلامیہ اور اسلامی فلسفہ کی تاریخ اور فلسفیانہ افکار کے ارتقا میں مسلمانوں کا حصہ تاریخ میں تاریخ اسلام اور اسلامی فلسفہ تاریخ۔ قانون میں اسلامی قانون کے اصول اور فقہ کے وہ ابواب جو معاملات سے متعلق ہیں۔ معاشیات میں اسلامی معاشیات کے اصول اور فقہ کے وہ حصے جو معاشی مسائل سے متعلق ہیں سیاسیات میں اسلام کے نظریات سیاسی اور اسلامی سیاسیات کے نثر و ارتقا کی تاریخ و دنیا کے سیاسی افکار کی ترقی میں اسلام کا حصہ۔

(۸) اس کورس کے بعد علوم اسلامیہ میں ریسرچ کے لیے ایک مستقل شعبہ ہونا چاہیے جو مغربی یونیورسٹیوں کی طرح اعلیٰ درجہ کی علمی تحقیق پر مشتمل (Doctorate) مسلمانوں دیا کرے۔ اس شعبہ میں ایسے لوگ تیار کئے جائیں جو مجتہدانہ طرز تحقیق کی تربیت با کر نہ صرف

(۳)

بلکہ اسلامی نقطہ نظر سے دنیا کی نظری و فکری رہنمائی کے لیے مستعد ہوں۔

حصہ دوم میں جس طرز تعلیم کا خاکہ میں نے پیش کیا ہے وہ بظاہر ناقابل عمل معلوم ہوتا ہے لیکن میں کافی غور و خوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ توجہ اور محنت اور صرف مال سے اس کو تبدیلِ عمل میں لایا جاسکتا ہے۔

یہ حقیقت پیش نظر رہنی چاہیے کہ آپ کسی راہ میں پہلا قدم اٹھاتے ہی منزل کے آخری نشان پر نہیں پہنچ سکتے۔ کام کی ابتدا کرنے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ اسکی تکمیل کا پورا سامان پہلے سے آپ کے پاس موجود ہو۔ ابھی تو آپ کو صرف عمارت کی بنیاد دکھنی ہے، اور اُس کا سامان اس وقت فراہم ہو سکتا ہے۔ موجودہ مل میں ایسے لوگ موجود ہیں جو اس طرز تعمیر پر بنیادیں اُٹھا سکتے ہیں۔ ان کی تعلیم و تربیت سے جو مل اٹھے گی وہ دیواریں اٹھانے کے قابل ہوگی، اور پھر تیسری نسل ایسی نکلیگی جس کے ہاتھوں یہ کام انشاء اللہ باپ کی تکمیل کو پہنچے گا۔ جو درجہ کمال کم از کم تین نسلوں کی مسلسل محنت کے بعد حاصل ہو سکتا ہے، اس کو آج ہی حاصل کر لینا ممکن نہیں، اور اگر اس کے حصول کو غیر ممکن دیکھ کر آپ اس کی ابتدا ہی نہ کریں، حالانکہ ابتدا کرنے کے اسباب آپ کے پاس موجود ہیں تو یہ سراسر نادانی ہوگی۔

چونکہ میں اس اصلاحی اقدام کا مشورہ دے رہا ہوں اس لیے یہ بھی میرا ہی فرض ہے کہ اس کو عمل میں لانے کی تدابیر بھی پیش کروں۔ اپنے بیان کے اس حصہ میں میں یہ بتانا چاہتا ہوں اس طرز تعلیم کی ابتدا کس طرح کی جاسکتی ہے اور اس کے لیے قابل عمل تدبیریں کیا ہیں۔

(۱) امی اسکول کی تعلیم کے لیے عقائد، اسلامی اخلاق اور احکام شریعت کا ایک جامع کورس بحال ہی میں سرکار نظام کے محکمہ تعلیمات نے تیار کرایا ہے۔ اس کو تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ بہت

کارآمد بنایا جاسکتا ہے۔

عربی زبان سنی تعلیم قدیم طرز کی وجہ سے جس قدر ہولناک ہو گئی تھی، الحمد للہ کہ اب کیفیت باقی نہیں رہی۔ اس کے لیے جدید طریقے مصر و شام اور خود ہندوستان میں ایسے نکل آئے ہیں جن سے بآسانی یہ زبان سکھائی جاسکتی ہے۔ ایک خاص کمیٹی ان لوگوں کی مقرر کی جائے جو عربی تعلیم کے جدید طریقوں میں علمی و ملی مہارت رکھتے ہیں اور ان کے مشورہ سے ایک ایسا کورس تجویز کیا جائے جس میں زیادہ تر قرآن ہی کو عربی کی تعلیم کا ذریعہ بنایا گیا ہو۔ اس طرح تعلیم قرآن کے لیے الگ وقت نکالنے کی بھی ضرورت نہ رہے گی اور ابتدائی سے طلبہ کو قرآن کے ساتھ مناسبت پیدا ہو جائے گی۔

اسلامی تاریخ کے بکثرت رسالے اردو زبان میں لکھے جا چکے ہیں۔ ان کو جمع کر کے منظر خوردیکھا جائے اور جو رسائل مفید پائے جائیں ان کو ابتدائی جماعتوں کے کورس میں داخل کر لیا جائے۔

مقدم الذکر دونوں مضامین کے لیے روزانہ صرف ایک گھنٹہ کافی ہوگا۔ اسلامی تاریخ کا مضمون کوئی الگ وقت نہیں چاہتا۔ تاریخ کے عمومی نصاب میں اس کو ضم کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح میں سمجھتا ہوں کہ ہائی اسکول کی تعلیم کے موجودہ نظم میں کوئی زیادہ تغیر کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔ تغیر کی ضرورت جو کچھ بھی ہے نصاب تعلیم، طرز تعلیم اور تعلیمی اشیاء میں ہے۔ دینیات کی تدریس اور اس کے مدرس کا جو تصور آپ کے ذہن میں اب تک رہا ہے اس کو نکال دیجیے ۱۹۳۶ء کے لٹکے کی ذہنیت اس کے نفسیات کو سمجھنے والے مدرس رکھے ان کو ایک ترقی یافتہ نصاب تعلیم دیجیے، اور اس کے ساتھ ایسا ماحول پیدا کیجیے جس میں ”اسلامیت“ کے بیج کو بالیدگی نصیب ہو سکے۔

(۲) کالج کے لیے نصاب عام کی جو تجویز میں نے پیش کی ہے اس کے تین اجزاء ہیں :-

(الف) عربیت - (ب) قرآن - (ج) تعلیمات اسلامی -

ان میں سے عربیت کو آپ ثانوی لازمی زبان کی حیثیت دیجیے۔ دوسری زبانوں میں سے کسی کی تعلیم اگر طلبہ حاصل کرنا چاہیں تو ٹیوٹرس کے ذریعہ سے حاصل کر سکتے ہیں۔ مگر کالج میں انگریزی زبان (یعنی ذریعہ تعلیم کے بعد جو دوسری زبانیں بطور ثانوی زبان کے پڑھائی جاتی ہیں ان کو موقوف کر کے صرف عربی کی تعلیم دیجیے۔ اگر نصاب اچھا ہو اور پڑھانے والے آزمودہ کار ہوں تو انٹر میڈیٹ کے دو سالوں میں طلبہ کے اندر اتنی استعداد پیدا کی جاسکتی ہے کہ وہ بی اے میں پہنچ کر قرآن کی تعلیم خود قرآن کی زبان میں حاصل کر سکیں۔

قرآن کے لیے کسی تفسیر کی حاجت نہیں۔ ایک اعلیٰ درجہ کا پروفیسر کافی ہے جس نے قرآن کا بنظر غائر مطالعہ کیا ہو اور جو طرز جدید پر قرآن پڑھانے اور سمجھانے کی اہلیت رکھتا ہو اپنے لکچروں سے انٹر میڈیٹ میں طلبہ کے اندر قرآن فہمی کی ضروری استعداد پیدا کرے گا پھر بی۔ اے میں ان کو پورا قرآن اس طرح پڑھا دے گا کہ وہ عربیت میں بھی کافی تر تھی کر جائیں گے اور اسلام کی روح سے بھی بخوبی واقف ہو جائیں گے۔

تعلیمات اسلامی کے لیے ایک جدید کتاب لکھوانے کی ضرورت ہے جو ان مقام پر حاوی ہو جن کی طرف میں نے حصہ دوم کے نمبر ۵، ضمن (ج) میں اشارہ کیا ہے کچھ عرصہ پہلے میں نے خود ان مقاصد کو پیش نظر رکھ کر ایک کتاب اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی کے عنوان سے لکھنی شروع کی تھی جس کے ابتدائی تین باب ”ترجمان القرآن“ میں محرم

سے شعبان ۱۳۵۲ تک کے پرچوں میں شائع ہوئے ہیں۔ اگر اس کو مفید سمجھا جائے تو میں اس کی تکمیل کر کے یونیورسٹی کے نذر کر دوں گا۔

ان مضامین کے لیے کالج کی تعلیم کے موجودہ نظم میں کسی تغیر کی ضرورت پیش آئے گی عربیت کے لیے وہی وقت کافی ہے جو آپ کے ہاں ثانوی زبان کے لیے ہے۔ قرآن اور تعلیمات اسلامیہ دونوں کے لیے باری باری سے وہی وقت کافی ہو سکتا ہے جو آپ کے ہاں درسیات کے لیے مقرر ہے۔

(۳) زیادہ مشکل اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے میں پیش آئے گی جسے میں نے حصہ دوم نمبر ۷ میں پیش کیا ہے۔ اس کے حل کی تین صورتیں ہیں جن کو بتدریج اختیار کیا جاسکتا ہے۔
الف ایسے پروفیسر تلاش کئے جائیں (اور وہ ناپید نہیں ہیں) جو علوم جدیدہ کے ماہر ہونے کے ساتھ قرآن اور سنت میں بھی بصیرت رکھتے ہوں جن میں اتنی اہلیت ہو کہ مغربی علوم کے حقائق کو ان کے نظریات اور ان کی وجدانی اساس سے الگ کر کے اسلامی اصول و نظریات کے مطابق مرتب کر سکیں۔

(ب) اسلامی فلسفہ، قانون، اصول قانون و فلسفہ تشریح، سیاسیات، عمرانیات، معاشیات، تاریخ و فلسفہ، تاریخ وغیرہ کے متعلق عربی، اردو، انگریزی، جرمن اور فرنیچ زبانوں میں جس قدر لٹریچر موجود ہے اس کی چھان بین کی جائے۔ جو کتابیں بعینہ بیسنے کے قابل ہوں ان کا انتخاب کر لیا جائے اور جن کو اقتباس یا حذف و ترمیم کے ساتھ کارآمد بنایا جاسکتا ہو ان کو اسی طریق پر کام میں لایا جائے۔ اس غرض کے لیے اہل علم کی ایک خاص جمعیت مقرر کرنی ہوگی۔
اجرا چند ایسے فضلاء کی خدمات حاصل کی جائیں جو مذکورہ بالا علوم پر جدید کتابیں تالیف کریں۔ خصوصیت کے ساتھ اصول فقہ، احکام فقہ و اسلامی معاشیات، اسلام کے اصول و عمرانیات اور حکمت قرآنیہ پر جدید کتابیں لکھنا نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ قدیم کتابیں اب درس و تدریس کے لیے کارآمد نہیں ہیں۔ اگر باب اجتہاد کے لیے تو بلاشبہ ان میں بہت اچھا مواد

مگر ان کو جوں کا توں لے کر موجودہ زمانے کے طلبہ کو پڑھانا بالکل بے سود ہے۔
 اس میں شک نہیں کہ سر دست ان تینوں تدبیروں سے وہ مقصد بدرجہ کمال حاصل نہ ہوگا۔ جو ہمارے پیش نظر ہے۔ بلاشبہ اس تعمیر جدید میں بہت کچھ نقائص پائے جائیں گے لیکن اس سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ صبح رات پر پہلا قدم ہوگا۔ اس میں جو کوتاہیاں رہ جائیں گی ان کو بعد کی سلیں پورا کریں گی یہاں تک کہ اس کے تکمیلی ثمرات کم از کم پچاس برس بعد ظاہر ہوں گے۔

(۴) اسلامی ریسرچ کا شعبہ قائم کرنے کا بھی موقع نہیں۔ اس کی نوبت چند سال بعد آئے گی اس لیے اس کے متعلق تجاویز پیش کرنا قبل از وقت ہے۔

(۵) میری تجاویز میں فرقی اختلافات کی گنجائش بہت کم ہے۔ تاہم اس باب میں علماء شیعہ سے استصواب کر لیا جائے کہ وہ کس حد تک اس طرز تعلیم میں شیعہ طلبہ کو سنی طلبہ کے ساتھ رکھنا پسند کریں گے؟ اگر وہ چاہیں تو شیعہ طلبہ کے لیے خود کوئی اسکیم ترتیب کریں، مگر مناسبت ہوگا کہ جہاں تک ہو سکے تعلیم میں فروعی اختلافات کو کم سے کم جگہ دی جائے اور مختلف فرقوں کی آئندہ نسلوں کو اسلام کے مشترک اصول و مبادی کے تحت تربیت کیا جائے۔

(۶) سر محمد یعقوب کے اس خیال سے مجھے پورا اتفاق ہے کہ وقتاً فوقتاً علماء و فضلاء کو اہم مسائل پر یکجہر دینے کے لیے دعوت دی جاتی رہے میں تو چاہتا ہوں کہ علیگڑھ کو نہ صرف ہندوستان کا بلکہ تمام دنیا کے اسلام کا دماغی مرکز بنادیا جائے۔ آپ اکابر ہندوستان کے علاوہ مصر، شام، ایران، ترکی، اور یورپ کے مسلمان فضلاء کو بھی دعوت دیجیے کہ وہ یہاں آکر اپنے خیالات، تجربات اور نتائج تحقیق سے ہمارے طلبہ کی روشنی فکر اور روح حیات پیدا کریں۔ اس قسم کے خطبات کافی معاوضہ دے کر لکھوائے جانے چاہئیں، تاکہ وہ کافی

محنت اور غور و فکر کے ساتھ لکھے جائیں اور ان کی اشاعت نہ صرف یونیورسٹی کے طلبہ کے لیے بلکہ عام تعلیم یافتہ پبلک کے لیے بھی مفید ہو۔

(۷) اسلامی تعلیم کے لیے کسی ایک زبان کو مخصوص کرنا درست نہیں۔ اردو عربی، اور انگریزی تینوں زبانوں میں سے کسی ایک زبان میں بھی اس وقت نصاب کے لیے کافی سامان موجود نہیں ہے۔ لہذا سر دست ان میں سے جس زبان میں بھی جو مفید چیز مل جائے اس کو اسی زبان میں پڑھانا چاہیے۔ دینیات اور علوم اسلامیہ کے معلمین سب کے سب ایسے ہونے چاہئیں جو انگریزی اور عربی دونوں زبانیں جانتے ہوں۔ علیگڑھ کے لیے کوئی ایک خادمی صحیح علم و دینیات نہیں ہو سکتا۔

میں اپنے بیان کی اس طوالت پر غدر خواہ ہوں۔ مگر اتنی تطویل و تفصیل میرے لیے ناگزیر تھی، کیونکہ میں بالکل ایک نئے راستہ کی طرف دعوت دے رہا ہوں جس کے نشانات کو پہچاننے میں خود مجھے غور و فکر کے کئی سال صرف کرنے پڑے ہیں۔ میں حتمًا اس نتیجہ پر پہنچ چکا ہوں کہ مسلمانوں کے مستقل قومی وجود اور ان کی تہذیب کے زندہ رہنے کی اب کوئی صورت بچ رہی کے نہیں ہے کہ ان کے طرز تعلیم و تربیت میں انقلاب پیدا کیا جائے اور وہ انقلاب ان خطوط پر ہو جو میں نے آپ کے سامنے پیش کیے ہیں۔ میں اس سے بے خبر نہیں ہوں کہ ایک بڑی جماعت ایسے لوگوں کی موجود ہے، اور خود علی گڑھ میں بھی ان کی کمی نہیں، جو میرے ان خیالات کو ایک دیوانے کا خواب کہیں گے۔ اگر ایسا ہو تو مجھے کوئی تعجب نہ ہو گا۔ پیچھے دیکھنے والوں نے آگے دیکھے والوں کو اکثر دیوانہ ہی سمجھا ہے، اور ایسا سمجھنے میں وہ حق بجانب ہیں۔ لیکن جو کچھ میں آج دیکھ رہا ہوں چند سال بعد شاید میری زندگی ہی میں وہ اس کو بحکم سر دیکھینگے اور ان کو اس وقت اصلاح حال کی ضرورت محسوس ہوگی جب طوفان سر پہ ہو گا اور تلافی باخات کے مواقع کم تر رہ جائیں گے۔